

پریم چند کا بطور معاشرتی اور سیاسی ناول نگار! ایک

مطالعہ

A Study of Prem Chand as political and Social Novelist

ڈاکٹر محمد افضال بٹ، صدر شعبہ اُردو، جی سی ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ

ڈاکٹر سبینہ اولیس، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، جی سی ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ

Dr. Muhammad Afzal Butt, Chairperson Dept of Urdu, GC Women University, Sialkot

Dr. Sabina Owais, Asst Professor, Dept of Urdu, GC Women University, Sialkot

Abstract

Generally, all genres of literature represent psychological, religious and social attitudes of people in their ages, however, this can clearly be envisaged in fiction. Within this genre of fiction, short story does not allow much flexibility because of its limitations and restrictions. Therefore, just like other international languages, in Urdu, novel is only such genre of literature that can capture all psychological and social issues with all the minute details of the modern age. This is the reason that if we want to know details about attitude and perceptions of people, we should take detailed readings of novels written in that particular age. Prem Chand demonstrated the power of his pen in both forms of fiction writing like novel and afsana. His afsana or novels belong to his time of social and political issues. His novels reflect the true glimpse of social life of his era. They reflect the soul, behavior and thought as well as feelings of people of his age. There exists the rare picture of social and political life which seems dynamic and alive in their specific cultural environment. The ideological and thoughtful behavior of Prem Chand mirrors in the background of act which the characters perform. This article provides analysis of three novels (Bazar-e-Husn, Nirmla and Gosha-e-Aafiyat) of Prem Chand from socio-political perspective.

Key words: Prem Chand, Novels, Bazar e Husn, Gosha e aafiyat, Nirmla, Political, Social

کلیدی الفاظ: پریم چند، ناولز، بازار حسن، گوشہ عافیت، نرملا، سیاسی، سماجی

اُردو ادب میں افسانہ ہو یا ناول جب بھی حقیقت پسند فکشن نگار کا ذکر کیا جاتا ہے تو پریم چند کا نام صفِ اوّل میں آتا ہے۔ وہ ایک ایسے تخلیق کار تھے جنہوں نے اپنی مٹی سے محبت و وفا کی۔ انہوں نے ایسا ادب تحریر کیا جس میں معاشرتی و سیاسی مسائل کا پردہ چاک کیا گیا۔ اُن کی حقیقت پسندانہ ادبی فکر نے ایک رجحان ساز فکشن نگار کا روپ اختیار کر لیا۔ اس مضمون میں پریم چند کے تین ناولوں کا معاشرتی اور سیاسی تناظر میں احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اس میں اس عہد آغاز کی صورتِ حال سے روشناس کروایا گیا ہے۔

بیسویں صدی کے آغاز پر ہندوستان کا معاشرتی ماحول ایک عجیب افراتفری کا شکار ہو چکا تھا۔ نئے نئے قوانین نے مزدوروں اور کسانوں کو سخت مشکل میں مبتلا کر دیا۔ مسائل اور مصائب کی ایک نئی دنیا آباد ہو گئی۔ اس کے برعکس اعلیٰ طبقہ کے لوگوں کے ساتھ انگریزی حکومت کا رویہ دوستانہ تھا۔ زمیندار اور تاجریشہ لوگوں نے اچھے ہتھکنڈوں کے ذریعے انگریزوں کی وفاداری حاصل کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ دیہات میں رہنے والے کسانوں، ہریجنوں کے مسائل بد سے بدتر ہونے لگے۔ وہ غلامانہ زندگی بسر کر رہے تھے۔ اسی عہد میں نئے علمی نظریات نے ہندوستانی عوام میں نئی روح پھونکی۔ ہندوستان میں مختلف تحریکوں نے بھی اپنی اپنی جگہ مناسب اور موثر کردار ادا کیا۔ نچلے متوسط طبقے کے کسان، کاشت کار، نوجوانوں اور دیگر افراد کو نیا شعور دیا۔ نئے تصورات اور نظریات نے معاشرے کو اپنے زیر اثر کیا، یوں ہندوستانی ادب بھی نئے تصورات اور علمی نظریات سے متاثر ہوا۔ بیسویں صدی کے ابتدائی سالوں کے بارے میں عتیق احمد لکھتے ہیں:

”بیسویں صدی کے ابتدائی پچیس سال ہندوستان کی سیاسی اور اقتصادی زندگی میں اہم تبدیلیوں اور رستائیز کے سال تھے۔ انگریز کا لایا ہوا تعلیمی، سیاسی اور اقتصادی نظام عبوری مراحل سے گزر کر مضبوطی سے جکڑ چکا تھا۔ گوراحاکم کالے محکوموں سے اپنی نظر عنایت کا خراج وصول کرنے میں استحصالی اقدام پر اتر آیا تھا۔“ (۱)

سرسید اور ان کے رفقاء ہندوستانی سماج کی مایوس فضا کو تبدیل کرنے کی کوششیں کیں۔ انہوں نے عوام کو سیاسی اور سماجی مسائل سے نبرد آزما ہونے کے قابل بنایا۔ مہاتما گاندھی نے برطانوی سامراج کے خلاف عدم تعاون اور سنیہ گرہ کا اعلان کر دیا۔ سارے ملک میں بیداری کی لہر دوڑ گئی۔ متوسط طبقے کے کسان، مزدور

اور نو جوان آزادی کی جدوجہد میں شامل ہوتے نظر آنے لگے۔ سرکاری سکولوں اور عدالتوں کا بائیکاٹ کیا گیا۔ ہزاروں ملازمین نے سرکاری عہدوں سے استعفیٰ دے دیا۔ عوامی تحریکیں روز بروز زور پکڑ رہی تھیں۔ ایسے حالات پیدا ہو گئے جن کی وجہ سے تحریک آزادی میں شدت پیدا ہو گئی۔ کانفرنسیں، ہڑتالیں، جلے جلوس اور مظاہرے ہونے لگے۔ حکومت ان تمام عوامل پر قابو پانا چاہتی تھی۔ عوام پر لاٹھی چارج عام معمول تھا۔ جلیانوالہ باغ جیسے سانحات پیش آئے۔ انگریز حکومت اپنی خود مختاری اور سیاسی اقدار کے لیے غریب عوام کو موت کی نیند سلانا ضروری سمجھتی تھی۔

ایک حساس ادیب اپنے زمانے کے مسائل اور معاملات سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ پریم چند کو بھی اپنے گرد و پیش میں بکھرے ہوئے مسائل کا ادراک حاصل تھا۔ اُس نے ان مسائل کو اپنے فن کا موضوع بنالیا۔ اُس کے دل میں مشرقی آداب و روایات کا احساس بدرجہ اتم موجود تھا۔ وہ معاشرتی ناہمواریوں، سماجی نا انصافیوں، معاشی بد حالی اور سیاسی چیرہ دستیوں سے روحانی کرب کا شکار ہو چکے تھے اُس نے روحانی کرب کو دور کرنے کے لیے، ماحول اور سماج کو مفسدات سے نجات دلانے کے لیے ایسا ادب تخلیق کرنے کی روش کو ترجیح دی جس میں حقیقت پسندانہ شعور جھلکتا ہو۔ پریم چند ”سوز وطن“ کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

”ہر ایک قوم کا علم و ادب اپنے زمانے کی سچی تصویر ہوتا ہے۔ جو خیالات قوم کے دماغوں کو متحرک کرتے اور جو جذبات قوم کے دلوں میں گونجتے ہیں وہ نظم و نثر کے صفوں پر ایسی صفائی سے نظر آتے ہیں جیسے آئینے میں صورت۔۔۔ اب ہندوستان کے قوم خیال نے بلوغت کے زینے پر ایک قدم اور بڑھایا اور حب الوطنی کے جذبات لوگوں کے دلوں میں سر ابھارنے لگے ہیں کیونکر ممکن تھا کے اس کا اثر ادب پر نہ پڑتا۔“ (۲)

پریم چند نے فکشن نگاری میں اپنی قلم کی طاقت کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ اُن کا افسانہ ہو یا ناول وہ اپنے عہد کے سماجی اور سیاسی مسائل تعلق رکھتے ہیں۔ اُن کے ناولوں میں اپنے زمانے کا بھرپور سماجی شعور ملتا ہے۔ وہ اپنے زمانے کی عوامی زندگی کی روح، رویے اور فکر و احساس کی عکاسی کرتے ہیں۔ ان میں معاشرتی زندگی کی حقیقی

تصویریں موجود ہیں ان کے ناولوں کے کردار جو عمل کرتے ہیں۔ ان کے پس منظر میں پریم چند کے فکری اور نظریاتی رویے کی جھلک موجود ہوتی ہے۔

"پریم چند جابجا اپنے نظریات واضح کرتے رہتے اس کے تین طریقے ہیں ایک تو یہ کہ وہ واقعات کو ترتیب ہی اس ڈھنگ سے دیتے ہیں کہ ان کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہو۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ان کے آپس کے کردار آپس کی گفتگو میں اپنے نظریات کی تشریح کرتے ہوئے ان کی افادیت و صحت پر روشنی ڈالتے رہتے ہیں تیسرا اور آخری طریقہ یہ ہے کہ پریم چند اپنے کرداروں کے قول و فعل پر موقع موقع سے تنقید کرتے رہتے ہیں جن سے ہمیں ان کے نقطہ نظر کا پتہ لگ جاتا ہے" (۳)

بیسویں صدی کے ابتدا سے پیداوار و مسائل کی تبدیلی سے نئے طبقات وجود میں آگئے جس سے ہندوستان کی تہذیبی زندگی میں ایک نئی کشمکش کا آغاز ہوا۔ اس عہد کے قومی مسائل پیچیدہ ہو گئے۔ ایک طرف عوام کے اقتصادی اور طبقاتی مسائل تھے تو دوسری طرف قومی آزادی کا حصول تھا۔ ہندوستانی عوام انگریزی حکومت سے سخت نفرت کرتی تھی۔ عوام کے دل و دماغ پر آزادی حاصل کرنے کا احساس و فکر بدرجہ اتم موجود تھا۔ اس عہد میں ہندو مسلم کشیدگی بھی قومی مسئلہ بن چکی تھی۔ کسانوں، مزدوروں اور ہندوستانی عورتوں کی مظلومی اور پستی کا مسئلہ بھی بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ بظاہر یہ تمام مسائل جداگانہ نوعیت کے تھے لیکن قومی فکرو احساس کے نقطہ نظر سے ان مسائل کا آپس میں گہرا ربط تھا۔ پریم چند نے اپنے زمانے کی سماجی زندگی کے پیچیدہ مسائل پر غور و فکر کیا۔ انہوں نے اپنے ناولوں میں تمام انسانوں کی تصویر سیاسی، سماجی اور تہذیبی رابطوں کے پس منظر میں ابھاری۔

پریم چند کا تعلق غریب گھرانے سے تھا۔ سوتیلی ماں اور بھائی نے اچھا سلوک نہ کیا۔ چھوٹی عمر میں شادی کر دی گئی لیکن بعد میں بیوی سے علیحدگی ہو گئی۔ باپ بھی فوت ہو گیا۔ گھر کی تمام ذمہ داری پریم چند کے کندھوں پر آ پڑی۔ معاشرتی اور انفرادی زندگی کے تلخ تجربات نے انہیں حد درجہ جذباتی اور حساس بنادیا۔ گرد و پیش میں پھیلے ہوئے معاشرتی حالات نے ان کی سوچ کے دائرے کو وسیع کر دیا۔ یہ وہ حالات تھے جس کی روشنی میں پریم چند کا معاشرتی اور سیاسی پس منظر ابھرتا دکھائی دیتا ہے۔ سید احتشام حسین تحریر کرتے ہیں:

”یہ پریم چند ہی کا کام تھا کہ انھوں نے محنت کش عوام کو اپنے افسانوں اور ناولوں کا ہیرو بنایا۔ اور اس دنیا کی تصویر کھینچی جو سب سے زیادہ جاندار، سب سے زیادہ حقیقی اور سب سے زیادہ انسان دوستی کی مظہر تھی۔۔۔ پریم چند پہلے ادیب ہیں جنہوں نے شعوری طور پر ادب کے ذریعے عوام کے مسائل کو سمجھنے کی کوشش میں انسان دوستی کی طرف یہ قدم اٹھایا۔“ (۴)

اُس عہد میں گاندھی جی کے نظریات ہندوستانی سماج پر اپنے اثرات مرتب کر رہے تھے۔ 1928 تک پریم چند بھی گاندھی جی کے زیر اثر رہے۔ انہوں نے اپنے زمانے کی زندگی کے مسائل کو گاندھی جی کے نقطہ نظر سے دیکھا تھا۔ پریم چند کو گاندھی جی سے والہانہ عقیدت تھی جس کی وجہ سے انہوں نے صرف ہندو سماج کو اپنے فن کا محور و مرکز بنایا۔ انہوں نے سرکاری ملازمت چھوڑ کر محب وطن ہونے کا ثبوت پیش کیا۔ پریم چند ٹالسٹائی کے نظریات سے بھی متاثر تھے۔ اسی وجہ سے انھوں نے ان کی کہانیوں کے تراجم بھی کیے۔ لیکن وہ ٹالسٹائی کی بجائے گاندھی کے نظریات (تصورات) کو حقیقت سے زیادہ قریب سمجھے تھے۔ پریم چند اپنے اور گاندھی جی کے تعلق کے بارے میں کہتے ہیں۔

”میں اس وقت سے ان کا (گاندھی) چپلا ہوں جب وہ گورکھ پور آئے تھے اس کے بعد ہی میں نے گوشہ عافیت لکھی۔ دنیا میں مہاتما گاندھی کو سب سے بڑا مانتا ہوں ان کا یہی نصب العین ہے کہ مزدور اور کسان سکھی ہوں وہ ان لوگوں کو آگے بڑھانے کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں میں لکھ کر اس کی ہمت بڑھا رہا ہوں۔“ (۵)

ہر شخص کا اپنا طبقاتی رجحان ہوتا ہے۔ وہ اپنی فہم و فراست کے مطابق فیصلے کرتا ہے۔ وہ مختلف نظریات کو اپنے مخصوص رجحانات میں ڈھال لیتا ہے۔ پریم چند کی اپنے سماج میں انسانی حقوق کی پامالی پر بھی گہری نظر تھی۔ وہ انسانی حقوق کی پامالی کو کسی بھی حالت میں برداشت نہیں کرتے تھے۔ ان کے اس نقطہ نظر کے بارے میں ڈاکٹر قمر رئیس تحریر کرتے ہیں :

”پریم چند نے اپنے عہد کی زندگی اور اس کے مسائل کو ایک انسان دوست ادیب کے نقطہ نگاہ سے دیکھا تھا۔ جس طبقے کے افراد کو انھوں نے زیادہ مظلومی اور پریشانی کی حالت میں پایا اتنی ہی زیادہ

ہمدردی اور دلچسپی سے انھوں نے اس کے مسائل کو سمجھنے کی کوشش کی ان کا حساس دل فنکارانہ ذہن، مذہب، ملت، ذات پات اور رنگ نسل کی قیود سے ماورا تھا وہ عام انسانوں کو سر بلند اور آسودہ حال دیکھنا چاہتے تھے۔“ (۶)

پریم چند نے جاگیر دارانہ جبر اور ساہوکارانہ مکر کے سماج میں آنکھ کھولی تھی۔ غریب کسان اور محنت کش نظام کے ظلم و جبر کی پچکی میں پس رہے تھے۔ ان کی زندگی حیوانوں سے بھی بدتر تھی۔ اگر ان میں کوئی صدائے احتجاج بلند کرتا تو حکومتی اہلکاران کی بری طرح سرکوبی کرتے۔ ان حالات میں پریم چند نے اپنے قلم کو ظلم کے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کیا۔

پریم چند نے ادب کے ذریعے معاشرے کی اصلاح کا بیڑہ اٹھایا۔ معاشرے کی ہر برائی کو مٹانے کا عزم کیا۔ انھوں نے اپنے ناولوں سے ہندوستانی سماج کے محنت کشوں اور کسانوں کو گہری نیند سے بیدار کیا تھا۔ پریم چند نے ادب کے ذریعے شعوری طور پر عوام کے مسائل کو سمجھنے اور انسان دوستی کی طرف قدم بڑھایا جو سیاسی اور سماجی تحریکوں کے علاوہ کچھ اداروں، طبقوں اور روایتوں سے تعلق بھی ان کے نقطہ نظر کو عملی سانچے میں ڈھالنے میں مددگار ثابت ہوا۔

پریم چند نے جب لکھنا شروع کیا تو اس وقت ہندوستان میں دیہات سدھار اور دوسری معاشرتی اصلاحات کا زور تھا۔ ہندوستان کے کسان، مزدور، عورت، اچھوت سبھی پر ان تحریکوں نے اثرات مرتب کیے۔ وہ صدیوں کی بے چارگی اور بے بسی کے ظلم سے نجات چاہتے تھے۔ پریم چند بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ انہوں نے اصلاح معاشرت کے نظریات کو اپنے ناولوں میں پیش کیا۔

پریم چند کے ناولوں کو تین ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلے دور میں انھوں نے سماجی اور اصلاحی ناول لکھے جو ہندوستان کے نچلے اور متوسط طبقے کے معاشرتی مسائل کو پیش کرتے ہیں۔ اس عہد میں آریا سماج کی اصلاح مذہب کی تحریک کارفرما تھی۔ انہوں نے سماجی برائیوں کے خاتمے کے لیے آریا سماج کی اصلاحی سوچ کو اپنے ناولوں کا موضوع بنایا۔ ناول نگار نے بیوہ عورتوں کی شادی، جہیز، فرسودہ رسومات، بچپن کی شادی، اور ان سے پیدا ہونے والے مسائل کو بڑی بے باکی سے پیش کیا ہے۔

پریم چند کے دوسرے دور کے ناول حقائق کی تصویر کشی کرتے ہیں۔ یہ ناول اس دور کی زندگی کی پیچیدگی اور وسعت سمیٹے ہوئے ہیں۔ اس دور میں طبقاتی کشمکش نے ہندوستان میں واضح حیثیت حاصل کر لی تھی۔ انہوں نے محسوس کیا کہ انسان بے پایاں حوصلے اور بے کراں قوت کے باوجود تلخیوں اور محرومیوں کا شکار ہے۔ غلامی اور مفلسی کی اذیتوں سے کراہتی انسانیت کو دیکھ کر ان کا دل خون کے آنسو روتا ہے۔ ہندستان عوام کی بد حالی، کسمپرسی، سامراجی اقتدار اور بڑھتے ہوئے مہاجنی جبر میں نظر آتی ہے۔ وہ انہما، تیگ، محبت کو انسانیت کا نصب العین سمجھتے ہیں۔ پریم چند ان اوصاف کو ناولوں کے مختلف کرداروں میں پیش کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کے دوسرے دور کے ناول عصری زندگی کی ترجمانی کرنے کے علاوہ نظریات کی نمائندگی بھی کرتے ہیں۔

پریم چند اپنی زندگی کے آخری اور ناول نگاری کے تیسرے دور میں اپنی پوری زندگی کے تجربہ سے حقیقت عرفان سے بہت قریب آچکے تھے۔ انہیں معاشرتی شعور کا خاصا تجربہ حاصل تھا جو طبقاتی تجزیہ کا محرک بن کر سامنے آتا ہے۔ وہ اپنے اس دور کے ناولوں میں ہندوستان کی سیاسی اور سماجی پہلوئوں کے ہر گوشے کو سمیٹ لیتے ہیں۔ داخلی اور خارجی دونوں دنیاؤں پر روشنی ڈالتے ہیں۔ اس دور میں پریم چند نے اپنی صلاحیتوں کو اپنے جذبات پر فوقیت دی ہے۔ انہوں نے قلم کے ہتھیار کو استعمال کرتے ہوئے شعور کی پختگی کا ثبوت دیا اور ادب برائے زندگی کی بات کر کے صحت مند رجحان کو تقویت دی۔ انھوں نے اپنے مقصد کو آخری دم تک برقرار رکھا۔ 1936 میں انجمن ترقی پسند مصنفین میں صدارتی خطبہ دیتے ہوئے وہ کہتے ہیں:

" جس ادب سے ہمارا ذوق صحیح بیدار نہ ہو ، روحانی اور ذہنی تسکین

نہ ملے، ہم میں قوت اور حرکت پیدا نہ ہو ہمارا جذبہ حسن نہ جاگے، جو ہم میں سچا ارادہ اور مشکلات پر فتح پانے کے لیے سچا استقلال نہ پیدا کرے وہ آج ہمارے لیے بیکار ہے۔ اس پر ادب کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔۔۔ ادب آرٹسٹ کے روحانی توازن کی ظاہری صورت ہے۔ ہم آہنگی حسن کی تخلیق کرتی ہے ، تخریب نہیں ادب ہماری زندگی کو فطری اور آزاد بناتا ہے۔۔۔ اس کی بدولت نفس کی تہذیب ہوتی ہے۔ یہ اس کا مقصد اولیٰ ہے۔" (۷)

پریم چند نے اس خطبے میں ادب کی دائمی اقدار کو اجاگر کیا۔ انھوں نے خوب صورتی، سچائی، آزادی اور بنی نوع انسان سے محبت کو ادب کے معیار کا لازمی جزو مانا ہے۔ ان کے ناول اپنے فن اور فکر دونوں اعتبار سے ہندوستان کے دیہی اور شہری سماج کے مسائل و مصائب کی عکاسی کرتے ہیں۔ پریم چند کے فکر و نظر میں احترام آدمیت اور نوع انسانی کی بہتری کا جذبہ بدرجہ اتم موجود تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ناول فکر و شعور کے اعتبار سے نہ صرف اس عہد کا نقشہ پیش کرتے ہیں بلکہ موجودہ سماج بھی ایسے ہی مسائل سے دوچار نظر آتا ہے ڈاکٹر قمر رئیس اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں:

"فکر و شعور کے اعتبار سے اردو کا کوئی ناول نگار پریم چند کی بصیرت اور بلندی کو نہ پہنچ سکا۔ ان کے ناول صحیح معنی میں اس عہد کا رزمیہ ہیں۔ ان میں سیکڑوں کردار شامتی اور صنعتی دور کے جس مکمل اور متحرک انسان کا نقش ابھارتے ہیں وہ اپنی اور اپنے عہد کی زندگی نبھانے کتنے تاریک گوشوں، عقدوں اور الجھنوں پر سے پردہ اٹھا دیتا ہے۔ آج بھی ہم اس آئینہ میں اپنے خدوخال دیکھ سکتے ہیں۔ کیونکہ آج بھی وہ تمام مسائل حل نہیں ہو سکے۔ آج کے سماج میں بھی فرد اسی طرح مجبور و بے بس ہے۔ ان ہی آزمائشوں کا شکار اور ان ہی کشمکشوں کا اسیر ہے" (۸)

اس دور میں دو ناول "میدان عمل" اور "گودان" لکھئے گئے۔ یہ زمانہ ہندوستان میں سیاسی لحاظ سے بڑا ہنگامہ خیز ہے۔ اسی دور میں کانگریس اور مسلم لیگ کی سیاسی تحریکوں نے ہندوستانی عوام کو فرنگی سامراج کے خلاف کھڑا کر دیا تھا۔ عدم تعاون، ہوم رول اور خلافت وغیرہ کی تحریکوں نے عوام میں بیداری کی لہر کو تیز کر دیا تھا۔ اس سیاسی پس منظر میں پریم چند کے ناول "میدان عمل" اور "گودان" تخلیق ہوئے۔ "میدان عمل" میں امرکانت، سکھندا، آتماند اور گائوں کے سینکڑوں انسان جبر و ظلم کی قوتوں کے خلاف بغاوت کرتے نظر آتے ہیں۔ ان لوگوں کی عملی جدوجہد ہی پریم چند کے ناولوں کا موضوع ہے۔ پریم چند نے اس عہد میں ایک حقیقت پسندانہ ناول نگار ہونے کا ثبوت دیا۔ انھوں نے سنگین حالات کو بے نقاب کیا جو انقلاب کا پیشہ خیمہ تھے۔

پریم چند کے شعور کی پختگی، عالمی ادب کے حقیقت پسندانہ اور اک نے ان کے ذہن میں طبقاتی شعور کی اہمیت کو پروان چڑھایا۔ وہ خود متوسط خاندان سے آئے تھے لیکن نئی تعلیم سے بہرہ ور ہونے کی وجہ سے قومی آزادی کی تحریکوں سے متاثر تھے۔ وہ ہندوستانی عوام کو ظلم اور استحصال سے نجات دلانا چاہتے تھے۔ وہ نہ صرف گاندھی جی کی تحریک سے وابستہ رہے بلکہ پنڈت جواہر لال نہرو کے سماج وادی نظریات سے بھی متاثر ہوئے اور اس روش کو اپنانے کے لیے سماج کو تبدیل کرنے کے لیے کوشاں ہو گئے۔ سید محمد عقیل تحریر کرتے ہیں:

"پریم چند کی زندگی میں تو ہندوستان آزاد نہیں ہوا، مگر ان کے ناولوں نے جو زندگیاں پیش کیں، ان میں سماجی اور ذہنی تبدیلی کی تمنا کے ساتھ ساتھ، سیاسی تبدیلیوں کے بھی خواہشات ہیں۔ ان سے پریم چند کے نقطہ نظر کی وضاحت ہوتی ہے اور یہ ناول، آزادی کا ایک شعور اور ہندوستان کے نا آسودہ لوگوں کی ذہن کی ایک تصویر تو پیش کرتے ہی ہیں جو پریم چند کا نقطہ نظر ہیں" (۹)

پریم چند کو شعور کی آنکھیں کھولتے ہی گرد نواح میں بیمار زندگی کے مظاہر دیکھنے کو ملے۔ اس دور میں ہندوستان نہ صرف جدید معاشی، معاشرتی اور فنی نظریوں سے روشناس ہو رہا تھا بلکہ فکر و شعور کو کئی رخ اور کئی جہتیں عطا ہو گئیں۔ ہندوستان کی عوام کی زندگی رواج پرستی، ذلت، استحصال، سماجی آداب و رسومات کی قید، سودی کاروبار کے پھندے اور سرکاری اعمال کی زور بردستیوں سے بُری طرح شکار ہو چکی تھی۔ پریم چند نے وطن پرست یا وطن سے محبت کا ثبوت دیتے ہوئے ادب کو ملک اور قوم کی خدمت اور اصلاح کا ذریعہ بنایا۔ پریم چند کی تحریروں کے بغور مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں غلامی اور نا انصافی کی زنجیروں کی قید ہندوستانیوں کی سچی تصویریں نظر آتی ہیں۔ جو اپنے ذہنوں میں ظلم اور نا انصافی کے خلاف ڈٹ جانے کے منصوبے بنا رہے تھے۔ اور کسانوں کا وہ طبقہ جو اب زمین داروں کے ہاتھوں مزید ظلم سہنے کو تیار نہ تھا۔ پنڈت اور مہنت جو مذہب کو اپنے مفاد عیش و آرام کے لئے استعمال کرتے ہیں اور غریب کمزور عوام کو اپنے جال میں پھنسائے رکھنے کے لئے مقامی زمینداروں اور پولیس افسروں کے ساتھ مل کر اپنے مفادات کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہ اور اسی طرح کے دوسرے مسائل پر پریم چند کے ناولوں میں پہلی بار پوری شدت اور تفصیل کے ساتھ نظر آتے ہیں۔

پریم چند گہرے سیاسی، معاشرتی اور معاشی شعور کے مالک تھے۔ ان کی طبیعت وطن سے محبت کے جذبے سے بھری پڑی تھی۔ ان کی فکر میں قوم کا درد موجود تھا۔ وہ حقیقی اور سچے سماجی حالات کی مکمل بصیرت رکھتے تھے۔ ان کے فکر و شعور میں انسانی آزادی اور انسان دوستی کا تصور گہر کر چکا تھا۔ ان کی تمام تخلیقات میں مقصدیت کا روشن پہلو ملتا ہے۔ جن میں احترام آدمیت اور حرمت انسانیت کا جذبہ کار فرما ہے۔ انھوں نے اپنے عہد کی 70 فی صد دیہات رہنے والی آبادی کو اپنا فکری محور بنانے کے ساتھ ساتھ جدید فکشن کی راہ بھی ہموار کی۔

"پریم چند سے جدید فکشن کی مضبوط بنیاد کا آغاز ہوتا ہے۔ گاؤں کے لوگوں کے دلوں کے جذبات اور کسانوں کے احساسات کو انھوں نے بڑی درد مندی سے اپنے ناولوں اور افسانوں میں جگہ دی ہے۔ اتنا درد مند دل رکھنے والا انسان جب "بیوہ" اور "کفن" جیسی تخلیقات کو منظر عام پر لاتا ہے تو رو نگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ایک سنگ دل انسان کا کلیجہ دہل جاتا ہے۔ دیہی مسائل و موضوعات کی منظر کشی اور اظہار بیان کی جدت طرازی نے پریم چند کو لافانی فنکار بنادیا۔" 10

پریم چند کا پہلا طویل ناول "بازار حسن" ہے۔ جس میں سمن ایک خوب صورت شوخ خوددار اور حساس لڑکی ہے۔ اس کا باپ اس کی شادی ایک بہت غریب، تنگ نظر اور کنجوس آدمی سے کر دیتا ہے۔ سمن کے پڑوس میں ایک طوائف رہتی ہے جس کو دیکھ کر سمن اپنی زندگی کا طوائف کی زندگی سے موازنہ کرتی ہے۔ وہ بے اطمینانی اور ذہنی انتشار کا شکار ہو جاتی ہے۔ ایک دن شوہر سے جھگڑا ہوتا ہے۔ شوہر اسے گھر سے نکال دیتا ہے۔ سمن طوائف کا پیشہ اختیار کر لیتی ہے۔ آخر میں ایک سماجی کارکن اسے گناہ کی دلدل سے نکال دیتا ہے۔ وہ ایک با عزت زندگی بسر کرنے لگتی ہے۔

اس ناول میں پریم چند نے ہندوستانی سماج پر کڑی نقطہ چینی کی ہے۔ وہ معاشرتی خرابیوں کو بے نقاب کرتے ہیں۔ سمن اس ناول کا مرکزی کردار ہے جو ایک شریف والدین کی لڑکی ہے۔ اس کی شادی گجادر سے ہو جاتی ہے۔ سمن ایک رات دیر سے گھر آتی ہے گجادر اسے گھر سے نکال دیتا ہے۔ سمن بے ہودہ رسم و رواج کی وجہ سے گناہ کی زندگی اختیار کر لیتی ہے۔ وہ ایک عجیب ذہنی کشمکش سے دوچار ہو جاتی ہے۔ اسے ایک طوائف کی زندگی بڑی پرکشش نظر آتی تھی۔ لیکن

جلد ہی اسے یہ سب کچھ نظر کا فریب محسوس ہونے لگا تھا۔ غلاظت اور گناہ کی دلدل میں پھنسنے کے بعد جو الفاظ سمن ادا کرتی ہے وہ غور طلب ہیں، جس کا خلاصہ کچھ اس طرح سے ہے کہ یہ کس قدر پر فریب زندگی ہے دور سے یہ جگہ کتنی پرکشش محسوس ہوتی تھی۔ میں نے تو اسے گلشن سمجھا تھا مگر آہ! یہ خوف ناک بیابان ثابت ہوئی۔ ایسا بیابان جس میں چہار طرف خون کے پیا سے درندے اور زہریلے ناگ بھرے ہوتے ہیں۔ دور سے تو یہ ایک دریا چاندنی رات میں چاندی کی چادر سے زیادہ حسین معلوم ہوتا تھا لیکن یہ تو خوفناک سمندری جانوروں کا مسکن ہے یا خوشحال گھرانوں کے عیش طبع نوجوانوں کا نشانہ اور ان کی تفریح کا میدان ہے۔

پریم چند نے اس عہد کی ہندوستانی سماج میں رہنے والی عورت کی بے بسی اور مظلومیت کی بڑی باریک بینی سے عکاسی کی ہے۔ انیسویں صدی کے اختتام پر ہندوستانی معاشرے میں سماج سدھار کی کوششیں تیز ہو گئی تھیں۔ طوائف بھی اس وقت ایک اہم موضوع تھا۔ رسوا کے ”امراؤ جان ادا“ نے اس موضوع کو وسعت دے کر مجموعی زوال سے ملا دیا تھا۔ بیسویں صدی کے ابتداء میں بھی یہ موضوع تازہ رہا اور متعدد لکھنے والوں نے اس پر طبع آزمائی کی۔ پریم چند نے بھی اس اصلاحی تحریک کو مد نظر رکھا اور ”بازار حسن“ جیسے ناول لکھے۔

بظاہر یہ ناول عصمت فروشی کے بھیانک پہلوؤں کو بے نقاب کرتا ہے لیکن اس کا بنیادی موضوع ہندوستانی عورت کی مظلومی اور بے بسی ہے۔ اس میں ہندوستان کے بے ہودہ سماجی رسم و رواج کے خلاف آواز بلند کی گئی ہے۔ ڈاکٹر قمر رئیس ”بازار حسن“ میں معاشرتی خرابیوں، اخلاقی، اقتصادی اور نفسیاتی پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں:

”بازار حسن پہلا ناول ہے جس میں پریم چند نے معاشرتی خرابیوں کو اپنے وسیع سماجی اخلاقی اور اقتصادی پس منظر میں دکھایا ہے۔ اس کے نفسیاتی پہلوؤں پر زور دیا ہے۔ اور پھر اپنے مشاہدے اور مطالعے کی روشنی میں ان معاشرتی مسائل کا حل تلاش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔“ (۱۱)

پریم چند سماج سے طوائف طبقہ کو ختم کر کے ان کی اصلاح کرنا چاہتے تھے۔ وہ انھیں نیک سیرت زندگی بسر کرانے کے ساتھ ساتھ معاشرے میں اچھا

مقام دلانے کے بھی خواہش مند تھے۔ سماج میں طوائف کا وجود اس بات کا ثبوت ہے کہ سماجی نا انصافی اور معاشی عدم استحکام کی وجہ سے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوا جس کی وجہ سے گجادر بدگمان ہو گیا اور وہ سمن کو گھر سے نکال دیتا ہے لیکن گجادر کو اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے سمن کو گھریلو عورت سے طوائف بنا کر کوٹھے پر پہنچانے کا اصل ذمہ دار وہی ہے۔ گجادر میں انسانیت کا جذبہ بیدار ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی اصلاح کر لیتا ہے۔ باقی زندگی سادھو بن کر بقائے انسانیت کے لیے وقف کر دیتا ہے۔ شانتا کا شرم کی وجہ سے گنگا میں ڈوب کر جان دینا اور گجادر کا فرشتہ رحمت بن کر بچا لینا بقائے انسانیت ہی ہے۔ اس موقع پر گجادر، شانتا کو جو نصیحت کرتا ہے وہ الفاظ ہندوستانی سماج کو بدلنے کی راہ دیکھتے ہیں۔ جن کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ اب تک تم اپنے لیے جیتی تھی۔ اب دوسروں کے لیے جیو۔ سمن کا بازار حسن کو خیر باد کہہ دینا اور بٹھل داس اور پرام سنگھ کی مشترکہ کادشوں سے دال منڈی ایک دن طوائفوں سے خالی ہو جاتی ہے۔ میونسپل بورڈ کی مدد سے طوائفوں کے لیے علی پور کے قریب رہائش کا بندوبست کر دیا جاتا ہے۔ اس بستی میں حاجی ہاشم وہاں مسجد اور سیٹھ چمن لال مند ر تعمیر کروا دیتے ہیں۔ اس کے بعد طوائفوں کا جلسہ ہوتا ہے۔ جس میں تمام طوائفیں نیک راہ اپنانے کا عزم کرتی ہیں۔ لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کے لیے ایک یتیم خانہ تعمیر کیا جاتا ہے سمن وہاں معلم اور نگران مقرر کر دی جاتی ہے۔ اسی کے ساتھ سنگیت پاٹھ شالہ قائم کر کے موسیقی کی تعلیم دینے والے وطن پرستی کے گیت گاتے ہیں۔

ناول کا بغور مطالعہ کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے۔ کہ ناول میں زندگی کی چہل پہل سارے سماجی، اقتصادی عوامل کا تجزیہ کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ ہندوستانی سماج میں سمن کے کردار کی تشکیل اس انداز میں کی ہے جس سے اس کی شادی سے پہلے کی زندگی اور شادی شدہ زندگی کے حالات کو دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اقتصادی مجبوریوں کی وجہ سے سمن کی شادی اس سے زیادہ عمر کے آدمی سے کر دی جاتی ہے۔ جبکہ اس کا ماضی ایک خوشحال گھرانے میں گزر رہا ہوتا ہے۔ سسرال میں غربت افلاس کی وجہ سے اسے کئی طرح کی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ وہ بہت جلد اس ماحول سے نکل کر ودھوا آشرم چلی جاتی ہے۔ یہی وہ عہد تھا جب طوائفوں کو شہر سے نکلنے کی تحریک چل رہی تھی۔ یوں پریم چند اس مسئلے کا حل

یتیم خانہ کی تعمیر میں ڈھونڈھ نکالتے ہیں۔ ڈاکٹر قمر رئیس بازار حسن پر اپنے رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں :

"پریم چند کا اس ناول کے حوالے سے یہ خیال ہے کہ اس کا خاص موضوع اور بنیادی مسئلہ بازار حسن ہے۔ خود پریم چند نے ایک موقع پر کہا ہے کہ اس قصہ میں میں نے ایک اخلاقی بے شرمی یعنی بازار عصمت فروشی پر چوٹ کی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کی رائے صحت پر مبنی نہیں۔ اصل چوٹ بازار عصمت فروشی پر نہیں ہندوستانی عورت کی مظلومی اور کمپرسی پر ہے جو صدیوں سے مرد کے جبر و ظلم کے ہاتھوں اپنی شخصیت کی پامالی سماجی پستی اور حرماں نصیبی کی زندگی گزارتی آئی ہے۔" 12

پریم چند کے ناول ”نرملہ“ کا موضوع اس دور کے معاشرتی مسائل ہیں۔ اس ناول میں جہیز کے لالچ سے پیدا ہونے والے سنگین نتائج اور بے جوڑ شادیوں کے تباہ کن اثرات واضح کیے گئے ہیں۔ اودھے بان، بیوی کلیانی دیوی اپنی دو بیٹیوں ”نرملہ“ اور ”نتاشا“ اور ایک بیٹے کے ساتھ گاؤں میں رہ رہا تھا۔ ”نرملہ“ جو اس ناول کا مرکزی کردار ہے اس کے مال دار باپ نے اپنی بیٹی کا رشتہ بال چند کے لڑکے سے طے کر دیا۔ اودھے بان اچانک مر جاتا ہے۔ کلیانی دیوی کے ہنستے بستے گھر میں ویرانی ڈیرے ڈال لیتی ہے۔ کلیانی دیوی نرملہ کی شادی کر کے بوجھ اپنے سر سے بہت جلد اتارنا چاہتی ہے۔ دوسری طرف بال چند کی بیوی رنگیلی ایک سنگدل اور لالچی عورت ہے وہ اپنے بیٹے کی شادی نرملہ سے کرنے سے صاف انکار کر دیتی ہے۔ اس کے ذہن پر جہیز کا بھوت سوار ہے جبکہ کلیانی کے گھر سے جہیز کی کوئی امید نہیں۔ اسی وجہ سے ہندو سماج میں نرملہ جیسی بے شمار لڑکیاں بن بیاہی رہ جاتی ہیں۔ ہندو معاشرے میں ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم ہے جو بنا جہیز کے شادی کرتے ہیں۔ ”نرملہ“ کی ماں اس کی شادی کر کے جلد از جلد اپنی ذمہ داری سے فارغ ہونا چاہتی ہے۔ طوطا رام کچھری میں منشی ہے۔ اس کی عمر نرملہ کے باپ کے برابر ہوتی ہے۔ کلیانی دیوی نرملہ اور طوطا رام کی شادی کروادیتی ہے۔ طوطا رام کے تین بیٹے اور ایک بہن بھی اس کے ساتھ رہتی ہے۔ طوطا رام کا ایک لڑکا ہنسا رام پڑھائی میں دلچسپی رکھتا ہے۔ نرملہ بھی اس سے پڑھنا شروع کر دیتی ہے۔ طوطا رام ہنسا رام اور نرملہ کے تعلق کو شک کی نظر سے دیکھتا ہے۔ وہ ہنسا رام کو تشدد کا نشانہ بناتا ہے۔ ہنسا رام گھر

چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ کچھ عرصہ بعد ہنسا رام شدید بیماری کی حالت میں ہسپتال پہنچ جاتا ہے۔ یہاں نرملا اپنے بیٹے کو ملنے آتی ہے۔ وہ اپنی ماں کے گلے سے لپٹ کر روتے ہوئے جان دے دیتا ہے۔ یہ موت رشتوں کے تقدس کو پامال کرتے ہوئے سماج میں ایک گہرا طعن ہے۔ نرملا کے پڑوس میں سدھا اپنے خاوند ڈاکٹر سہنا کے ساتھ خوشگوار زندگی بسر کر رہی ہے۔ یہ خاندان ہر مشکل اور پریشانی میں نرملا کا ساتھ دیتا ہے۔ اسی دوران نرملا ایک بچی کی ماں بن جاتی ہے۔ طوطا رام کی معاشی، ذہنی اور نفسیاتی حالت روز بروز ابتر ہوتی چلی جاتی ہے۔ وہ نرملا کو مار پیٹ کر تسکین محسوس کرتا ہے۔ ناول میں نرملا کے جذبات کی ترجمانی یوں کی گئی ہے۔

"دل روتا تھا مگر ہونٹوں پر ہنسی کا سوانگ بھرنا پڑتا تھا۔ جس کا منہ دیکھنے کو جی نہ چاہتا ہو اس کے آگے ہنس کر باتیں کرنا پڑتی تھیں۔ جس بدن کا چھونا اس کو سانپ کے سرو چشم کی طرح معلوم ہوتا تھا اس سے لپٹ کر جتنی نفرت اور دلی اذیت ہوتی تھی اسے کون جان سکتا تھا۔" (۱۳)

ان حالات کے پیش نظر معلوم ہوتا ہے کہ عورت پر ظلم و بربریت ہندو سماج کا وطیرہ بن چکا ہے۔ اسی لیے ہے کہ عورت کی مظلومی، بے بسی اور کسمپرسی کی عکاسی کر کے پریم چند نے حقیقت نگاری کو فروغ دیا ہے۔ ڈاکٹر قمر رئیس ان کے اس نقطہ نظر کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ایک حقیقت پسند فنکاری کی حیثیت سے وہ اس زندگی کی بے لاگ مصوری کرتے ہیں ”نرملا“ کی سرگزشت اور ”گوشہ عافیت“ میں لکھن پور کی تباہی کی داستان سناتے ہوئے ان کے لہجہ میں ان کے احساس کی تلخی اور دل کی تڑپ جھلک اٹھتی ہے حقیقت کی تلاش انھیں انسان کی بد حالی اور تلخ کلامی کے اسباب کی طرف متوجہ کرتی ہے۔" (۱۴)

سدھا کو جب معلوم ہوتا ہے کہ نرملا وہی لڑکی ہے جس کے ساتھ ڈاکٹر سہنا کی شادی ہونے والی تھی جو جہیز نہ ہونے کے باعث نہیں ہو سکی تو سدھا، اپنے خاوند سے ناراضی کا اظہار کرتی ہے۔ سدھا بعد میں نرملا کی چھوٹی بہن شانتا کا رشتہ ڈاکٹر سہنا کے چھوٹے بھائی سے کر کے پہلے سے کی گئی زیادتی کا ازالہ کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ نرملا اپنی بچی کے ہمراہ شانتا کی شادی میں شرکت کے لیے میکے

آتی ہے۔ شانتا کی شادی ہو جاتی ہے۔ وہ سسرال چلی جاتی ہے۔ نرملا چند دن میکی رہنا چاہتی ہے۔ اسی دوران اس کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ نرملا مرنے سے قبل ایک وصیت کرتی ہے کہ اس کی بیٹی کی شادی کم عمری میں نہ کی جائے اور نہ اس کی شادی کسی عمر رسیدہ شخص سے کی جائے۔ طوطا رام کو نرملا کی موت پر بہت افسوس ہوتا ہے لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔

پریم چند نے معاشرے کے چھوٹے سے چھوٹے مسئلے کا مشاہدہ بھی بڑی باریک بینی سے کیا ہے بالخصوص عورت کے ساتھ ہونے والی سماجی نا انصافی اور زیا دتی کو ایک حقیقت پسندانہ ناول نگار کی طرح پیش کیا ہے۔ نرملا کی شادی طوطا رام سے کر دی جاتی ہے۔ جو ہندو معاشرے کے اجتماعی شعور کا آئینہ دار ہے۔ ناول میں عورت کی نفسیات کی پیچیدگی کو بڑے اچھے انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نرملا کی عمر بہت چھوٹی ہے۔ لیکن جب اس پر خانہ داری کی ذمہ داری پڑتی ہے تو بے ساختہ ماں کی ممتا اس کے سینے میں اٹھ آتی ہے۔ اس جذبہ کا اظہار رہنسا رام کے ہسپتال میں ماں کی آغوش میں دم توڑنے سے ہوتا ہے۔ نرملا کا کردار بھرپور سماجی، معاشی اور نفسیاتی حالات کا تجزیہ پیش کرتا ہے۔ ناول میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ سماجی برائی کی بنیادی وجہ اقتصادی بد حالی ہے۔ نرملا حالات کے گرداب سے بڑی ہمت کے ساتھ مقابلہ کرتی ہے۔ یہ ہمت، حوصلہ، جدوجہد اس عہد کی ہندوستانی عورت کا خاصہ تھا۔ جو کسی کا ناتی عدل کی مشتاق نظر آتی ہے۔

پریم چند اس ناول میں معاشرے کی دو خرابیوں کو واضح کرتے ہیں۔ ایک جہیز کی لعنت اور دوسری بے جوڑ شادی ہے۔ ان فرسودہ رسم و رواج کی وجہ سے کئی گھر تباہ ہو جاتے ہیں۔ کم سن اور معصوم لڑکیوں کو سولی چڑھا دیا جاتا ہے۔ نرملا کا کردار ہندوستان کی بے شمار لڑکیوں کا ترجمان ہے۔ جو ہندو سماج کے فرسودہ رسم و رواج کا شکار ہو جاتی ہیں۔ ہندوستانی سماج میں لڑکی کا پیدا ہونا رحمت کی بجائے زحمت تصور کیا جاتا ہے۔ جو ہندو سماج کی بودوباش پر کڑی تنقید ہے۔ نرملا کے ذریعے مصنف نے ہندوستان کے اہم ترین مسئلے کو ہاتھ لگا یا ہے۔ جو اس وقت کے سماج کی بڑی ضرورت تھی۔ یہ مسئلہ آج بھی ختم نہیں ہوا ہے۔ اب بھی جہیز کی وجہ سے برصغیر میں کئی لڑکیاں شادی کے پاکیزہ بندھن سے محروم رہ جاتی ہیں۔

”گوشہ عافیت“ ۱۹۲۰ میں شائع ہوا۔ اس ناول میں مکھن پور کی تباہی و بربادی کے قصے بیان ہوئے ہیں۔ اس میں جنگ عظیم کے بعد کی داستان

ہے۔ جنگ عظیم اول کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ ہندوستان میں گاندھی جی کی عدم تعاون کی تحریک پورے عروج پر تھی۔ جنگ کی وجہ سے پوری دنیا معاشی بحران کا شکار ہو چکی تھی بالخصوص ہندوستان میں معاشی پستی کی انتہا ہو چکی تھی۔

پریم چند کے اس ناول کا اصل موضوع کسانوں کی زندگی کی ترجمانی کرتا ہے۔ جس میں کسان کی سماجی اور معاشی زندگی کے تمام پہلو آجاتے ہیں۔ انھوں نے ہر طبقے کے افراد کی، ذہنی اور سماجی زندگی کی منظر نگاری کی ہے۔ وہ کسانوں اور زمینداروں دونوں طبقات کے حالات کا جائزہ پیش کرتے ہیں۔

"جب دیس کے بُرے دن آتے ہیں تو سبھی باتیں الٹی ہو جاتی ہیں۔ جب بیمار کے مرنے کے دن آتے ہیں تو اوکھل بھی اوگن کرنے لگتی ہے۔ اور یہ لوگ دیا دھرم کے بچار کرنے لگتے ہیں۔ تو دیس میں رام راج ہو جاتا ہے۔۔۔ ارے: تو ہم مورکھ، گنوار، ان پڑھ ہیں۔ وہ لوگ تو بدوان ہیں۔ انہیں نہ سوچنا چاہیے یہ گریب آدمی ہمارے ہی بھائی بند ہیں۔ ہمیں بھگوان نے بدیا دی ہے ان پر دیا کی نگاہ رکھیں۔ ان بدوانوں سے ہم مورکھ ہی اچھے، میں تو اپنے لڑکے کو ایسی بدیا کبھی نہ پڑھائوں جو اسے آدمی بنا دے۔ جلم کرنے سے جلم سہہ لینا اچھا ہے۔" (۱۵)

پریم چند کو گائوں کی فضا اور وہاں کے رہنے والوں سے مکمل واقفیت ہے۔ کسانوں اور مظلوم انسان کو انھوں نے بڑے قریب سے دیکھا ہے وہ ایک سیاسی اور سماجی ذہن کے مالک تھے۔ انھوں نے بدلتے ہوئے ہندوستان میں لاکھوں لوگوں میں بیداری کی نئی لہر کو تیز تر کر دیا۔ اس کا اظہار بڑے فنکارانہ، حقیقت پسندانہ انداز میں کیا گیا ہے۔ خاص طور پر ہندوستانی سماج میں لگان کے مسائل کا تجزیاتی انداز:

"جس نے روپے نہ دیئے یا نہ دے سکا اس پر نالش کی قرقی کرائی اور ایک کے ڈیڑھ وصول کئے۔ سکمی اسامیوں کو یک قلم بے دخل کر دیا۔ اور اُن کی اراضیوں پر لگان بڑھا کر دوسرے اسامیوں کے ساتھ بندوبست کیا۔۔۔ سارے علاقے میں تہلکہ پڑ گیا۔ لوگ اضافی لگان سے بچنے کے لئے انہیں نذریں پیش کرنے لگے۔" (۱۶)

پریم چند کا سماجی شعور واضح اور مضبوط تھا اس لیے وہ ان تمام مسائل کو حل کرنے میں سرگرداں نظر آتے ہیں پورا ناول کسانوں کے احساسات اور

جدوجہد سے بھرا ہوا نظر آتا ہے۔ ناول میں ہر طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگ سماج کی فلاح و بہبود کے لئے کوشاں ہیں مثلاً گائتری جو اصلاً رانی ہے۔ اسی طرح زمیندار طبقے کی عورتوں شردا اور بڑی بہو سب شوہر پرست عورتیں ہیں سب کا تعلق جاگیردارانہ طبقے سے ہے۔ لیکن اپنے دل کے نہاں خانوں میں غریبوں کے لیے ہمدردی اور درد مندی کا جذبہ رکھتی ہیں۔ اس حوالے سے ڈاکٹر یوسف سرمت لکھتے ہیں:

"پریم چند کی ناول نگاری ہندوستان کے سیاسی و سماجی مسائل سے وابستہ ہو کر خوب سے خوب تر ہوتی گئی۔ اور آخر میں کروڑہا باشندوں یعنی دیہاتوں کی زندگی کو اور ان کے طبقاتی سماجی اور معاشی پس منظر میں پیش کر کے اور ناول کو حقیقت نگاری اور زندگی کی وسعتوں اور پنہائیوں کو سمیٹنے کا سلیقہ سیکھا ہے۔" (۱۷)

منوہر صرف ایک شخص نہیں بلکہ اس پوری نسل کی نمائندگی کر رہا ہے۔ جس نے ظلم کے خلاف آواز بلند کی ہے۔ وہ کسانوں کو استحصالی صورت حال سے نجات دلانا چاہتا ہے۔ ایک دفعہ لکھن پور کے زمیندار کو گھی کی ضرورت ہوتی ہے وہ اپنے کارندوں کو روپے دے کر کسی بھی حال میں گھی لانے کا حکم دیتا ہے جب کہ اس موقع پر منوہر کی گفتگو میں باغیانہ سوچ کا عنصر نمایاں ہے۔ ایسی صورت میں منوہر گھی دینے سے انکار کر دیتا ہے۔

پریم چند نے اس ناول میں کسانوں پر اضافی لگان کے بنیادی مسئلے کو اجاگر کیا ہے۔ اس معاشرے میں اگر کوئی وقت پر لگان ادا نہ کرے تو اس کی زمین جائیداد زمیندار کے قبضے میں چلی جاتی ہے۔ کسانوں کی زندگی پر مصیبتوں اور پریشانیوں کے گہرے بادل چھا جاتے ہیں۔ آئے دن نئی نئی مشکلات غریب کسانوں پر نازل ہوتی رہتی ہیں۔ قدرت کی طرف سے بھی کبھی کبھی بڑی پریشانی آن پڑتی ہے۔ قحط سالی آگئی یا کوئی وبائی مرض پھیل گیا۔ یہ تمام مصیبتیں ہندوستانی سماج کے غریب کسانوں کا مقدر بن چکی تھیں، وبائی مرض میں ڈپٹ سنگھ کا جوان لڑکا مر جاتا ہے۔ ڈپٹ سنگھ اپنے بیٹے کی موت کا غصہ جوالا سنگھ اور پریم سنگھ پر اتارتا ہے۔ سنگھ کے کارندے کسانوں کے جھوٹیاں کو آگ لگا دیتے ہیں۔ جانوروں کو تالاب میں پانی پلانے سے روک دیتے ہیں۔ آخر میں مویشیوں کی چراگاہیں بند کر دی جاتی ہیں۔ جس کی وجہ سے غوث خان کا قتل ہو تا ہے۔ منوہر جیل میں خودکشی کر لینا ہے۔ ناول کے

آخر میں پریم چند شکر کا اثر اتنا شدید ہوتا ہے کہ سبھی کسان متحد ہو کر ہر طرح کی مشکل کا سامنا کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ ناول کے کرداروں کے بارے میں پروفیسر عقیل رضوی لکھتے ہیں:

"سکھو چودھری، بسیر سادہ، دکھن بھگت کے کردار کی کمزوری، بلراج، منوہر اور قادر خان سے دغا کرتی ہے۔ پھر سب سرکاری کرپاویوں کے ظلم کا شکار ہوتے ہیں۔ بعد گیان شکر اور غوث خان کا بیرونی دباؤ انہیں متحد کرتا ہے۔ اندر کی لڑائی انہیں توڑتی ہے۔ ان میں نفاق بھی ڈالتی ہے۔ مگر جب انہیں اندازہ ہوتا ہے کہ بیرونی طاقت سے نپٹنا آسان نہیں ہے تب وہ سب اس طاقت کے خلاف متحد ہوتے ہیں۔ اس طرح اندورنی ٹکرائو اور ایثار سے پھر ایک اتحاد کی طاقت وجود میں آتی ہے۔ جو باہر کے طاقت ور گھیرے کو توڑ دیتی ہے۔" (۱۸)

"پریم چند کی تخلیق زندگی کا پورا عہد سیاسی تھا۔ لیکن خاص طور پر 1918-20 تک کا عرصہ خصوصی طور پر اہم ہے۔ جس میں ”گوشہ عافیت“ تخلیق ہوا۔ مصنف نے حقیقت پسندانہ روش اپناتے ہوئے کسان کی سماجی، مذہبی اور معاشی بد حالی کو بے نقاب کرنے کی کوشش کی ہے۔ ”پریم چند نے صرف حقیقت کی عکاسی ہی نہیں کی ہے بلکہ اپنی ہی لاکھوں کروڑوں ہندوستانیوں کی خواہشات کی ترجمانی کی ہے۔“ (۱۹)

پریم چند نے اپنی آنکھوں دیکھا بیان کیا اور محسوس بھی کیا۔ اس ناول میں کسانوں اور زمینداروں کی کشمکش دکھائی دیتی ہے۔ انگریزی حکومت کی وعدہ خلافیاں اور ان کا ظلم و ستم نظر آتا ہے۔ کسانوں کی معاشی ابتری بے بسی اور معاشی استحصال پر پریم چند کا دل خون کے آنسو روتا تھا۔ ناول میں دیہات کے لوگوں کی زندگی اور وہاں کے کرداروں کے ذریعے ان کے مسائل سے آگاہی ملتی ہے۔ مصنف، زمیندار، سرمایہ دار، مہاجن، اور متوسط طبقے کے کرداروں کے حوالے سے پورے ہندوستانی سماج کی زندگی کو پیش کرتے ہیں۔ ان کو محنت کش طبقے سے دلی ہمدردی تھی۔ وہ انسانوں کے ایسے مسائل سلجھاتے ہیں جو طبقات، ذات، پات، شہر و دیہات کی حد بندیوں سے آزاد ہیں۔

”گوشہ عافیت“ میں ایک طرف تو طبقاتی فرق کے باوجود غریبوں اور ناداروں کے لیے جاگیردارانہ طبقے کی عورتوں کے ہمدانہ جذبے کی تصویر کشی کی گئی ہے تو دوسری طرف پریم شکر اور گیان شکر دو سنگے بھائی ہیں، جو طبیعت اور نظریات کے حوالے سے ایک دوسرے سے مختلف نظر آتے ہیں۔ پریم شکر نے اعلیٰ تعلیم امریکا سے حاصل کی ہے لہذا اس کی سوچ میں وسعت اور پختگی آجاتی ہے۔ وہ چھوٹے بڑے امیر غریب کے فرق کو بالائے طاق رکھتا ہے۔ سب کو مساوی حقوق دلانے کے لیے کاربند نظر آتا ہے۔ قوم کی بہتری کا جذبہ اور سماج کی ترقی اس کا اصل مقصد ہوتا ہے۔ وہ گائوں سے دوسرے گائوں جا کر وہاں کے لوگوں کے دکھ درد میں شریک ہوتا ہے۔ غریبوں کو سیلابی پانی کی تباہ کاریوں سے بچانے کے لیے چند اکٹھا کر کے پل بنواتا ہے۔ ساری زندگی کسانوں کی بھلائی اور مدد کے لیے وقف کر دیتا ہے۔ اس کے برعکس گیان شکر ہر وقت زمینداری کے نشہ میں چور رہتا ہے۔ وہ بڑا خود غرض آدمی ہے۔ جو جائیداد اور دولت کی ہوس میں اندھا ہو جاتا ہے۔ لگان کی وصولی پر کسانوں سے ناروا سلوک کرنا اس کا معمول ہے۔ ناول میں یہ کردار اپنی اپنی جگہ ہندوستانی معاشرے کا مکمل آئینہ دار ہیں۔

برہما شکر، کملہ نند جیسے زمیندار ہمدردی اور غمگساری کے جذبے سے لبریز ہیں۔ غوث خان جیسا لالچی انسان اور گردھر جیسا شخص اپنے اپنے رویے سے سماج کو متاثر کرتے نظر آتے ہیں۔ گر دھر، یوں تو کارندہ ہے مگر کسانوں اور زمینداروں دونوں اطراف سے ہمدردی حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جو الا شکر اور دیا شکر حکومتی عہدے پر فائز ہیں لیکن وہ ہندوستانی سماج میں غریبوں کی مشکلات و مسائل کو رفتہ رفتہ سمجھنا شروع ہو جاتے ہیں۔

ڈاکٹر عرفان علی، اعجاز حسین، شمشیر شاہ بھی فہم و فراست کے مالک ہیں۔ ان سب کا تعلق متوسط طبقے سے ہے۔ یہ سب ہمہ وقت غریبوں کے مسائل اور پریشانیوں کو دور کرنے کی فکر میں مصروف عمل دیتے ہیں۔ ناول میں قادر خان، دکھن چودھری امن پسند انسان ہیں۔ وہ جھگڑا کرنے سے احتراز کرتے ہیں اور حاکم کے ہر حکم کو بلا چون و چرا مان لیتے ہیں۔ منوہر لال اور اس کا بیٹا بلراج ظلم کے خلاف سیسہ پلائی دیوار بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔

”انھوں نے ایک ایسے دور میں عوام الناس کو خصوصاً دیہی عوام اور ان کی

پس ماندگی کو اپنے افسانوں اور ناولوں کا موضوع بنایا جب اُردو ادب میں عوام

انسان کا داخلہ تقریباً ناممکن تھا۔ ان کے ہم عصر ایسا ادب تخلیق کر رہے تھے جن میں یازندگی کی صداقتیں مفقود تھیں یا پھر ان کا ادب تمام تر رومانی اور تخیلی تھا۔----- پریم چند نے پہلی بار اردو میں معاشرے کے بعض کرداروں مثلاً زمیندار، پٹواری، پولیس کا سپاہی، دروغہ، کسان، اس کی بیوی اور کے بچے وغیرہ کو پیش کیا۔ پریم چند سے قبل اردو میں یہ کردار ناپید تھے۔" (۲۰)

پریم چند نے اپنے ناولوں میں افلاس، محرومیوں اور گھریلو زندگی کی الجھنوں سے نبرد آزما ہونے والے لوگوں کی حقیقی تصویر کشی کی ہے۔ انھوں نے ایک سیکولر اور ترقی پسند نقطہ نظر سے ہندوستانی سماج کے تمام طبقات اور ہر عقیدوں سے تعلق رکھنے والے انسانوں کو ایک دوسرے کے قریب کرنے کی جست کی جس سے ہندوستان کی مشترکہ تہذیب اور مشترکہ قومیت کا اظہار ہوتا ہے۔ ان کے ناول اپنے عہد کی اقدار کی ترجمانی کرتے ہیں۔ انھوں نے ناولوں کی بدولت ہندوستان سماج کے قارئین کو نیکی بدی یا اونچ نیچ کا نیا شعور بہم پہنچایا۔

حوالہ جات

- ۱۔ عتیق احمد، ہمارے ادب کے جدید رجحانات، مضمونہ "پاکستانی ادب" (جلد پنجم) مرتبین رشید امجد، فاروق علی، ایف۔ جی سرسید کالج، راولپنڈی، جنوری ۱۹۸۶ء، ص ۶۲۱
- ۲۔ پریم چند، سوز و طن، نئی دہلی: پرنس بک ڈپو، ۱۹۸۷ء، ص ۳
- ۳۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، ناول نگاری اردو ناول کی تاریخ و تنقید، لاہور: میری لائبریری، ۱۹۶۶ء، ص ۱۹۵
- ۴۔ سید احتشام حسین، بحوالہ، پریم چند کا تنقیدی مطالعہ، مرتب مشرف احمد، نفیس اکیڈمی تیرتھ داس روڈ کراچی: ۱۹۸۶ء، ص ۲۴۴-۲۴۵
- ۵۔ بحوالہ پریم چند کا تنقیدی مطالعہ، مرتب مشرف احمد، ص ۳۱۹
- ۶۔ قمر رئیس، ڈاکٹر، پریم چند کا تنقیدی مطالعہ بحیثیت ناول نگار، علی گڑھ: سرسید بک ڈپو، ۱۹۶۳ء، ص ۳۱۵

- ۷۔ بحوالہ اردو ادب کی تحریکی، انور سدید، ڈاکٹر انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، ۱۹۹۹، ص ۳۷۶-۳۷۷
- ۸۔ بحوالہ پریم چند کا تنقیدی مطالعہ، مرتب مشرف احمد، ص ۲۵۸-۲۵۷
- ۹۔ محمد عقیل، سید، جدید ناول کا فن (اردو ناول کے تناظر میں)، الہ آباد: دنیا سفر پبلی کیشنز، ۱۹۹۷، ص ۳۴
- ۱۰۔ صابر علی سیوانی، ڈاکٹر، پروفیسر قمر رئیس! بحیثیت پریم چند شناس، ماہنامہ قومی زبان، انجمن ترقی اُردو، پاکستان، جون ۲۰۱۰، ص ۴۹
- ۱۱۔ قمر رئیس، ڈاکٹر، پریم چن کا تنقیدی مطالعہ بحیثیت ناول نگار، ص ۲۲۷
- ۱۲۔ ایضاً، ص ۲۳۵
- ۱۳۔ پریم چند، نرملہ، لاہور: چوہدری اکیڈمی، س ن، ص ۹۶
- ۱۴۔ قمر رئیس، ڈاکٹر، بحوالہ، پریم چند کا تنقیدی مطالعہ، مرتب، مشرف احمد، ص ۲۴۶
- ۱۵۔ پریم چند، گوشہ عافیت، لاہور: اتحاد پریس، ۱۹۲۹، ص ۸
- ۱۶۔ ایضاً، ص ۸۰-۸۱
- ۱۷۔ یوسف سرمت، ڈاکٹر، بیسویں صدی میں اردو ناول، حیدر آباد: نیشنل بک ڈپو، مچھلی کماں، ۱۹۷۳، ص ۲۲۱
- ۱۸۔ پروفیسر عقیل رضوی، پریم چند نمبر، یونیورسٹی الہ آباد میگزین، ۱۹۷۳، ص ۱۱۲
- ۱۹۔ یوسف سرمت، ڈاکٹر، بیسویں صدی میں اردو ناول، ص ۲۰۳
- ۲۰۔ صابر علی سیوانی، ڈاکٹر، پروفیسر قمر رئیس! بحیثیت پریم چند شناس، ماہنامہ قومی زبان، انجمن ترقی اُردو، پاکستان، جون ۲۰۱۰، ص ۵۴